اسلام اور جمہوریت ترکی میں*

متین ھیپر

۱۹۹۵ء کے انتخابات میں رفاہ پارٹی نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے اور نجم الدین اربکان ٹرو پاتھ پارٹی کے ساتھ مخلوط حکومت کے پہلے ۲ سال کے لیے وزیر اعظم بنائے گئے۔ فوج نے اس صورت حال کو قبول کیا۔ اسلام اور جمہوریت کے درمیان یہ uneasy marriage کیسے ممکن ہوئی؟

برنارڈ لیوس کے تجزیے کے مطابق اسلام کے بعض پہلو لبرل جمہوریت کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ ۱۹۹۳ء میں اسلامی کانفرنس کے ۴۶ میں سے صرف ایک رکن جمہوریہ ترکی کو مغربی مفہوم میں جمہوریت قرار دیا جا سکتا تھا۔ لیوس کے مطابق، اگر ترکی اپنے کردار اور تشخص کو کھوئے بغیر آزاد معیشت، کھلا معاشرہ اور لبرل جمہوری سیاسی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو بہت سے دوسروں کے لیے مثال ہو جائے گا۔

ترکی میں جمہوریت جڑ پکڑ چکی ہے۔ اب نہ تو فوج اور نہ مذہبی رجحانات کے حامل گروہ جمہوریت کے مقابلے میں کوئی آمرانہ نظام پسند کریں گے۔ اسلام ترک جمہوریت میں متعدد طریقوں سے اپنی جگہ بنا چکا ہے۔ جب کہ دستوری اور قانونی سیکولرزم اپنی جگہ محفوظ ہے۔ ہر سیکولر پارٹی میں مذہبی عناصر موجود ہیں۔ دستور کے مطابق ترکی سیکولر ریاست ہے اور دستور کی یہ دفعہ تبدیل نہیں کی جا سکتی۔ اس کے تحفظ کے لیے ایک دستوری عدالت کا فیصلہ موجود ہے جس نے ۱۹۷۱ء میں اربکان کی ملّی نظام پارٹی کو اس الزام پر خلاف قانون قرار دیا تھا کہ یہ مذہب کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ (اور اب ستمبر ۱۹۹۸ء میں رفاہ پارٹی پر پابندی لگائی گئی ہے۔ مدیر)

---

* Metin Heper, "Islam and Democracy in Turkey: Toward a Reconciliation"? *Middle East Journal*, Vol. 51, No. 1, Winter 1997, pp. 32 - 45. (تلخیص: پروفیسر مسلم سجاد)

آخری صورت میں، فوج ترکی میں اسلامی ریاست کے قیام میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

۱۹۲۳ء میں جمہوریت کے قیام سے ۴۰ کے عشرے کے وسط تک جمہوریت بتدریج رائج ہوئی۔ ان افراد کو جو معاشرے میں اسلام کا اجتماعی کردار دیکھنا چاہتے تھے، جنہیں اسلام پسند کہا جا سکتا ہے، سیاسی جماعت بنانے کی اجازت نہ تھی۔ ۴۰ کے عشرے کے بعد سے موجودہ زمانے تک اسلام پسند سیاسی نظام کا حصہ بنتے گئے۔ اس میں اسلام پسندوں کی اکثریت کا حکومت دشمن کے بجائے حکومت کے حامی ہونے کے مؤقف کا بھی دخل تھا۔

- جمہوریہ کے اولین دور کی اصلاحات معاشرے پر اسلام کی گرفت کمزور کرنے کے لیے تھیں۔
- اب ترک تشخص میں مذہب اسلام سے زیادہ فیصلہ کن عنصر ترک قومیت ہے۔
- رفاہ پارٹی سیاست سے زیادہ خدمت خلق کے ادارے کے طور پر کام کر رہی تھی۔
- ۹۰ کے عشرے کے وسط سے رفاہ کے پروگرام میں سیکولر عنصر کا اضافہ ہوا ہے۔

ترکی کے تشخص پر سیکولرزم کے اثرات

جمہوریہ کے اولین دور کی اصلاحات معاشرے پر اسلام کی گرفت کمزور کرنے کے لیے تھیں۔ دستور سے اسلام کے ریاست کا مذہب ہونے کی دفعہ ۱۹۲۹ء میں نکال دی گئی۔ پرائمری اسکولوں میں مذہب کی تعلیم ۱۹۳۰ء کے بعد ختم کر دی گئی۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۴۷ء تک حج ممنوع رہا۔ مغربی لباس کو اختیار کیا گیا۔ ۱۹۲۸ء میں رسم الخط تبدیل کر دیا گیا۔ جمعہ کی تعطیل ختم کر دی گئی۔ قمری کیلنڈر کا استعمال ترک کر دیا گیا۔ ۱۹۲۶ء سے اطالوی، سوئس اور جرمن قوانین لاگو کر دیے گئے۔ ماس میڈیا، تعلیم، جھنڈوں کی سلامی، قومی ترانہ کا گانا، سرکاری فوجی پریڈ، اہم غیر مذہبی مواقع پر تعطیلات، غرض ہر طرح کوشش کی گئی کہ ترک عوام مسلم برادری کے نیک افراد کے بجائے سیکولر جمہوریہ کے محبِ وطن شہری بن جائیں۔ ان اصلاحات کا ترکوں پر غیر معمولی اثر ہوا ہے۔ ۱۹۹۴ء کے ایک سروے میں ۶۹ فی صد نے خود کو ترک، ۲۱ فی صد نے مسلمان ترک اور ۴ فی صد نے مسلمان کی حیثیت سے شناخت کیا۔

۱۹۸۶ء کے ایک قومی سروے میں صرف ۷ فی صد نے رائے دی کہ ملک پر شریعت کی حکومت ہونا چاہیے۔ اب ترک تشخص میں مذہب اسلام سے زیادہ فیصلہ کن عنصر ترک قومیت ہے۔

اربکان اور رفاہ پارٹی

اربکان اور ان کے ساتھی روایتی علما نہیں۔ اربکان انجینیر ی کے پروفیسر ہیں، یقیناً وہ مفکر اسلام نہیں۔ انہوں نے اپنے کو ایک perceptive سیاست دان ثابت کیا ہے، جسے ایک تبدیل ہونے والے معاشرے میں دیہات سے نقل مکانی کر کے آنے والوں کے مسائل کا بخوبی احساس ہے۔ اربکان اور ان کے ساتھیوں نے غریبوں کے مسائل کا حل اسلامی اصطلاحات میں عدل کے نظام میں پیش کیا۔ تاہم ۱۹۹۴ء کے ایک سروے سے معلوم ہوا کہ رفاہ پارٹی کے ووٹروں میں سے صرف ایک تہائی نے اسے اسلامی پارٹی ہونے کی وجہ سے ووٹ دیا۔

۱۹۹۵ کے انتخابات میں رفاہ کی کامیابی کی وجہ کیا تھی؟ سیکولر پارٹیوں نے مناسب پروگرام پیش نہیں کیے۔ دونوں پارٹیوں، مدرلینڈ اور ٹرو پاتھ پر کرپشن کے سنگین الزامات تھے۔ بعض سیکولر دانشور صدارت، پارلیمنٹ، فوج، سیکورٹی کونسل، تعلیمی کونسل جیسے اداروں پر مستقل تنقید کر کے ان کی ساکھ کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ اور اس طرح دراصل اربکان کے ہاتھ میں کھیل رہے تھے۔ دوسری طرف رفاہ پارٹی سیاست سے زیادہ خدمت خلق کے ادارے کے طور پر کام کر رہی تھی۔ جو بلدیات اس کے پاس تھیں ان کے ذریعے اس نے کوئلہ، کپڑے، صابن اور خوراک ضرورت مندوں تک پہنچائیں۔ الیکشن کے دوران رفاہ کو اپنے تجارتی اداروں، ٹریڈ یونین، خواتین اور یوتھ گروپ ۵۰۰ ناشرین، ۴۵ ریڈیو اسٹیشن، ۱۹ ٹی وی چینل اور آڈیو وڈیو کیسٹ بنانے والے ہزاروں اداروں کی حمایت حاصل تھی۔ رفاہ نے ان سب کو متحرک کیا، ووٹروں کو اخلاقی اور مادی مدد دی اور ملک کی بنیادی خرابی اپنے اسلامی نظریے کی روشنی میں واضح کی۔

> معتدل اسلام پسند، مسلم معاشرہ چاہتے ہیں، اسلامی ریاست نہیں۔ وہ ریاست کی دستوری اور قانونی سیکولر بنیاد کو ختم نہیں کرنا چاہتے۔

۹۰ کے عشرے کے وسط سے رفاہ کے پروگرام میں سیکولر عنصر کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں چوتھی گرانڈ کانگریس کے فیصلے کے مطابق پارٹی کے دروازے نئے افراد کے لیے کھولنے سے ہوا۔ یہ

اربکان کے متوقع جانشین استنبول کے مسٹر طیب اردگان کی سرکردگی میں innovaters کی فتح تھی۔ اردگان کو ری پبلکن اور لبرل مسلمان کہا جا سکتا ہے۔

اردگان نے اتاترک کے مجسمے کے سامنے ری پبلک ڈے کی پریڈ میں حصہ لیا۔ ہوٹلوں میں شراب پیش کرنے کے مسئلے پر انہوں نے کہا۔ ''ہم بلدیہ کے ہوٹلوں میں شراب پیش نہیں کریں گے لیکن ہم دوسروں کو شراب پیش کرنے سے نہیں روک سکتے، ان جگہوں پر بھی جو انہوں نے ہم سے کرائے پر لی ہیں''۔ ''نئے سال کی تقریبات سیکولر مناتے ہیں، ہم نہیں۔ لیکن ہم ان سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ یہ تقریبات مناتے ہیں، اس لئے مسلمان نہیں۔ اس طرح بلدیہ کے تھیٹروں میں جو ڈرامے پیش کیے جائیں گے، ان کے مطابق وہ ہمارے عوام کی اقدار کے عکاس ہوں گے۔ ایک منتخب فرد کی حیثیت سے، کیا میں ان افراد کی ترجیحات کا لحاظ رکھنے کا پابند نہیں ہوں جنہوں نے مجھے ووٹ دیے ہیں''؟

> رہبی گروہ یہ سمجھتے تھے کہ اتاترک کی ریاستی اقدار کو چیلنج کرنے سے فوج کی مداخلت کا راستہ ہموار ہوتا ہے ور یہ زیادہ نقصان دہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رفاہ کے ممبران تھیوڈیموکریسی قائم کرنا چاہتے ہیں، یعنی تھیوکریسی، جمہوری ذرائع سے خواہ یہ شریعت کے مکمل نفاذ سے کم تر ہو۔ معتدل اسلام پسند، مسلم معاشرہ چاہتے ہیں، اسلامی ریاست نہیں۔ وہ ریاست کی دستوری اور قانونی سیکولر بنیاد کو ختم نہیں کرنا چاہتے۔ برنارڈ لیوس کی پیش گوئی بھی یہی ہے کہ ''(ترکی میں) شادی اور طلاق تک جیسے بنیادی دائروں میں بھی اسلامی قانون کی بحالی کا امکان نہیں ہے یا بہت کم ہے''۔

مذہبی برادریاں

۹۰ کے عشرے کے دوسرے وسط میں مذہبی فرقوں، گروہوں، تحریکوں اور مسلم دانشوروں کی جانب سے رفاہ کے مقابلے میں زیادہ جمہوری نقطہ نظر کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ سیکولر جمہوری نظام کا حصہ بن چکے تھے۔ اس صدی کے اوائل میں سیکولر پارٹیوں اور نقشبندیوں اور نورسیوں میں کچھ ایسا سمجھوتہ ہو گیا تھا کہ سیاسی پارٹیاں ان طریقوں (سلسلوں) کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تو وہ ان سیاسی پارٹیوں کی سیاسی

حمایت کریں گے۔ ۶۰ کے عشرے کے اواخر سے ان برادریوں نے سیاسی پارٹیوں کے قیام میں فیصلہ کن کردار ادا کرنا شروع کیا۔ رفاہ پارٹی بھی نقشبندیوں کے سربراہ مرحوم محمد زاہد کوتکو کی اجازت سے قائم کی گئی۔ مذہبی گروہ یہ سمجھتے تھے کہ اتاترک کی ریاستی اقدار کو چیلنج کرنے سے فوج کی مداخلت کا راستہ ہموار ہوتا ہے اور یہ زیادہ نقصان دہ ہے۔ ۹۰ کے اوائل میں کئی گروہوں نے رفاہ کی حمایت ترک کردی اور نیشنل سیکورٹی کونسل کو باقاعدہ اطلاع دی کہ ان کا رفاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حالیہ عشروں میں بھی نقشبندی شیوخ نے انقلابی کے بجائے ارتقائی راستہ اختیار کیا ہے۔ نقشبندی ریاست کو اپنا دشمن نمبر ایک نہیں سمجھتے۔ جب اربکان نے کہا کہ جو لوگ جہاد کی مالی اعانت نہیں کرتے وہ سچے مسلمان نہیں تو شیخ کوتکو نے کہا، ''اس مرحلے پر ہمیں ترکی میں اسلام کی تعلیم دیتے رہنا چاہیے۔ یہ جہاد کی کیا بات ہے؟ جہاد تو کافروں کے خلاف ہوتا ہے''۔

سعید نورسی نے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک کرد بغاوت کی رہنمائی کی اور ساتھ ہی اتحاد و استحکام کی تبلیغ کرتے رہے۔ وہ اسکولوں کے طلبہ کو الحاد سے اور مدرسہ کے طلبہ کو fanaticism (تعصب) سے بچانا چاہتے تھے۔ نورسی کے دو گروہ بنے، ایک نیا ایشیا گروپ جس نے ۱۹۹۰ میں ڈیمرل کی پارٹی کی حمایت سے اس لیے ہاتھ اٹھا لیے کہ اس کی حکومت مخالف پالیسی سے جمہوریت کو خطرہ ہے۔ دوسرا گروہ فتح اللہ کا ہے جو ایک سابق سول سرونٹ، امام اور مبلغ ہے۔ ۱۹۹۵ء میں اس نے لکھا، ''ہم ہر حکومت کی حمایت نہیں کرتے۔ لیکن اگر کوئی کسی سیاسی منصب پر منتخب ہو گیا ہے تو ہمیں اس سے ایسا رویہ رکھنا چاہیے جیسا ترقی یافتہ مغربی ممالک میں رکھا جاتا ہے۔ ان ممالک میں لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد کو بین الاقوامی برادری میں اپنا قومی نمائندہ تصور کرتے ہیں۔ ریاست کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے نہ ہونے سے انارکی پیدا ہوتی ہے''۔ فتح اللہ نے ایک انٹرویو میں کہا کہ ''میں اپنی مسجد کے نمازیوں سے کہتا ہوں کہ وہ ضرور ووٹ ڈالنے جائیں۔ ہمیں بے عمل اور باعمل دونوں قسم کے مسلمانوں سے ہمدردی ہونا چاہیے''۔

اسلامی دانش ور

گزشتہ دو عشروں میں چند معتدل اسلامی دانش ور ابھرے ہیں جنہیں مغربی روایت کا بھی علم ہے

اور معتدل سیکولر دانشوروں سے ان کا رابطہ بھی ہے۔ ان اسلامی دانشوروں نے pluralist مسلم معاشرے کے تصوراتی خاکے پیش کیے ہیں۔ ان میں سے ایک علی بلاق ہے جو میثاق مدینہ کے زیر اثر ایسا معاشرہ تجویز کرتا ہے جس میں مختلف اجتماعی گروہوں کو مذہبی، ثقافتی اور قانونی خودمختاری حاصل ہو۔ بلاق کے مطابق حقیقی اسلام میں مذہبی یا سیاسی رہنماؤں کو نہیں بلکہ پورے معاشرے کو آخری فیصلے کا حق ہوتا ہے۔ اس میں ہر شخص کو اپنے مذہب کی تعبیر کرنے کا اختیار ہوگا۔ یہ بھی کہ وہ اس سے پر عمل کرے یا نہ کرے۔

جب اربکان نے کہا کہ جو لوگ جہاد کی مالی اعانت نہیں کرتے وہ سچے مسلمان نہیں تو شیخ کوتکو نے کہا، ''اس مرحلے پر ہمیں ترکی میں اسلام کی تعلیم دیتے رہنا چاہیے۔ یہ جہاد کی کیا بات ہے؟ جہاد تو کافروں کے خلاف ہوتا ہے''۔

اسلامی دانش ور موجودہ ترک معاشرے کو اپنے مجوزہ نقشے کے مطابق تبدیل کرنے کے لیے کوئی حکمت عملی پیش نہیں کر سکے ہیں۔ وہ عوام میں اسلامی شعور بیدار کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کے ورلڈ ویو بہرحال اسلامی ریاست کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے۔

ایک معروف دانش ور راسیم ازدرنورین کا مؤقف ہے کہ کوئی مذہبی معاشرہ طاقت کے زور پر قائم نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ ایک مسلمان کو اسلام پر یقین نہ رکھنے والوں کے طرز عمل پر تنقید نہیں کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے دانش ور عصمت اوزیل کے مطابق قرآن اور حدیث کو مطلق اختیار نہیں دیا جا سکتا اس لیے کہ اس طرح فرد جس معاشرے میں رہ رہا ہے اس کی غیر اسلامی اقدار کو قبول نہیں کر سکتا۔

سیکولرسٹوں کی نظر میں اسلام پسندوں کا تصور

ترکی کے ریڈیکل سیکولرسٹ اسلام سے کسی بھی تعلق کو غیر عقلی سمجھتے ہیں۔ وہ اسلام کو روشن خیالی کی ضد قرار دیتے ہیں۔ ۱۹۹۵ء کے انتخابات کے اگلے دن روزنامہ حریت نے اداریے میں لکھا، ''ترک ووٹروں نے ۸۰ فی صد اکثریت سے واضح کر دیا ہے کہ وہ اتاترک کے ترکی میں رہنا چاہتے ہیں نہ کہ انتہا پسندی اور تعصب کی دنیا میں''۔

ریڈیکل سیکولرسٹوں نے عوام کے لیے اسلام کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا ہے اور دوسری طرف

ترکی کی جمہوری سیکولر ریاست کے لیے اسلام پسندوں کے خطرے کو مبالغہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسلام پسندوں کا مقابلہ کسی ایک پارٹی یا آمر سے نہیں انہیں حصول اقتدار کے لیے کئی سیکولر پارٹیوں سے، دانش وروں کی عظیم اکثریت سے، ان عوام کی اکثریت سے جو دستوری اور قانونی سیکولرزم کے حامی ہیں اور بالآخر مکمل سیکولر فوج سے مقابلہ کرنا ہے۔

اسلامی گروہوں میں سے صرف ریڈیکل گروہ ہی ترکی کی سیکولر جمہوری ریاست کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ اسلام پسندوں کی بھی ایک چھوٹی سی اقلیت ہیں۔ انہیں کوئی خمینی جیسا لیڈر بھی میسر نہیں۔ پھر یہ ریڈیکل عنصر متعدد اسلامی گروہوں میں منتشر ہے ان کی اپنی کوئی آئیڈیالوجی نہیں یہ معاشرے سے کٹ چکے ہیں۔

یہ امر تعجب خیز نہیں کہ جو لوگ ترکی میں احیائے اسلام کا خوف رکھتے ہیں وہ ان مذہبی گروہوں سے زیادہ رفاہ پارٹی سے اندیشہ رکھتے ہیں۔ رفاہ طویل عرصے سے ترکی کے سیکولر جمہوری نظام میں کام کر رہی ہے۔ وہ ترکی کے دستور میں درج سیکولرزم کا تصور تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح ریاست مذہب سے آزاد ہے، اسی طرح مذہب بھی ریاست سے آزاد ہونا چاہیے۔ رفاہ کا مؤقف ہے کہ ایک جمہوری نظام میں ریاست طالبات کو سر ڈھانپ کر کلاس میں آنے سے نہیں روک سکتی۔ اس کے مطابق دستور میں ایسی دفعہ شامل کرنا چاہیے جس کے ذریعے تمام افراد کو اپنے مذہبی عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ہوگا۔

علی بلاق کے مطابق حقیقی اسلام میں مذہبی یا سیاسی رہنماؤں کو نہیں بلکہ پورے معاشرے کو آخری فیصلے کا حق ہوتا ہے۔ اس معاشرے میں ہر شخص کو اپنے مذہب کی تعبیر کرنے کا اختیار ہوگا۔ یہ بھی کہ وہ اس سے عمل کرے یا نہ کرے۔

ریڈیکل سیکولرسٹ کہتے ہیں کہ رفاہ کا یہ مؤقف ریاست کے سیکولر کردار کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رفاہ ملک میں اسلامی ریاست قائم کرنے کے منصوبے کو پھیلا رہی ہے۔ ان میں سے بعض کا مؤقف ہے کہ اگر ضروری ہو جائے تو رفاہ کا راستہ غیر جمہوری ذرائع سے روک دیا جائے۔ اس کے بالمقابل معتدل سیکولرسٹ عوام کے لیے مذہب کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ رفاہ کا انتخاب لڑنے کا، مخلوط حکومت میں شامل ہونے کا اور خود حکومت بنانے کا حق تسلیم کرتے ہیں۔ معتدل سیکولرسٹوں کا روادارانہ

رویہ، معتدل اسلام پسندوں میں لچک پیدا کرنے کا باعث ہو سکتا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں جب اربکان وزیراعظم تھے تو کئی امور پر انہوں نے اپنا موقف تبدیل کیا۔ مثلاً کسٹم یونین سمجھوتے میں شرکت، یورپی یونین سے ٹیرف سمجھوتہ اور اسرائیل سے ترکی کے سلامتی کے سمجھوتوں کی مخالفت نہ کرنا۔

ماحصل

ترکی میں اسلام اور جمہوریت کے حوالے سے مستقبل میں مثبت پیش رفت کی امید کی جا سکتی ہے۔

سلامی دانش ور موجودہ ترک
عاشرے کو اپنے مجوزہ نقشے کے
طابق تبدیل کرنے کے لیے کوئی
حکمت عملی پیش نہیں کر سکے ہیں۔

کی کے ریڈیکل سیکولرسٹ اسلام
سے کسی بھی تعلق کو غیر عقلی سمجھتے
ں۔ وہ اسلام کو روشن خیالی کی ضد
اردیتے ہیں۔

یڈیکل سیکولرسٹوں کا موقف ہے
۔ اگر ضروری ہو جائے تو رفاہ کا
ستہ غیر جمہوری ذرائع سے روک
جائے۔

معتدل اسلام پسند ترک جمہوریت کو زیادہ لبرل طریقے سے آگے بڑھا سکتے ہیں وہ حالات کے تقاضوں کے مطابق اتفاق رائے کی سیاست کے علمبردار بن کر آگے آ سکتے ہیں، اگر یہ ضمیر کی آزادی پر عمل کریں اور دستور اور قانون سے سیکولر عنصر کو خارج نہ کریں تو ترک جمہوریت کو بہت کچھ دے سکتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ تھیوڈیموکریسی چاہتے ہیں، یا لبرل ڈیموکریسی، یعنی سیکولر جمہوری ریاست جہاں ضمیر کی آزادی کی ضمانت حاصل ہو اور مذہب اور ریاست آزاد اور خود مختار ہوں۔

اربکان اور بعض مذہبی گروہ کبھی کبھی یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان کے ذہن میں تھیوڈیموکریسی کا تصور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بیانات اپنے ممبران میں سے قدامت پسندوں کو مطمئن کرنے کے لیے اور اپنے عملی پروگرام کی کمی پورا کرنے کے لیے دیے گئے ہوں۔

اربکان اور ان کے ساتھی اتنے سمجھ دار ضرور ہیں کہ جانیں کہ ترکی میں انقلابی تو کیا ارتقائی راستہ بھی رکاوٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ ارتقائی راستے کے لیے انتخابی اکثریت کا حصول لازمی ہے۔ اگر ۱۹۹۵ء میں سیکولر پارٹیاں متحد ہوتیں تو رفاہ بہت دور تیسرے نمبر پر آتی۔ اب بھی رفاہ کے صرف ۷ فی صد ووٹروں نے اس کی مذہبی بنیاد کی بنا پر ووٹ دیا ہے۔

ترکی میں اسلام اور جمہوریت ،اسی صورت میں ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں کہ ریڈیکل سیکولرسٹ اپنے لائف اسٹائل اور اپنی اقدار کوتھوپنے سے رک جائیں، اور اسلام پسند اپنے قول یا عمل سے ریاست کے بنیادی سیکولر کردار کو نہ چھیڑیں۔ معتدل سیکولرسٹ اس میں نہایت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو لیوس کے الفاظ میں ترک ''لبرل معیشت، کھلی سوسائٹی اور لبرل جمہوری سیاست'' کا مقصد حاصل کرلیں گے۔

[متین ہیپر بلکنت یونیورسٹی انقرہ میں سکول آف اکنامک، ایڈمنیسٹریٹو اینڈ سوشل سائنسز کے ڈین اور ترکش اکیڈیمی آف سائنسز کے بانی ممبر ہیں]